

ہر شخص اور ہر نظام کو فنا ہونا ہے، صرف اللہ کی ذات اور اس کا نظام باقی رہ جائے گا وہ اور اس کا نظام ہی سب سے بزرگ و برتر ہے

خلاصہ کلام: اگر اس نظریاتی مملکت کو مستحکم کرنا ہے تو اس کی بقاء نبی کریم ﷺ کے دیئے ہوئے نظام کے نفاذ اور پیروی ہی میں ممکن ہے اور یہ نظام قرآن و سیرت نبوی ہی سے ماخوذ ہے۔

سیرت کی اثر اندازی کا صرف اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ صرف دس برس میں دس لاکھ مربع کلومیٹر کا علاقہ زیر نگین ہوا۔ داخلی و خارجی فسادات سے نبرد آزما ہوتے ہوئے اس پر قابو پایا اور ایسا صرف آپ کے اسوہ حسنہ کی پیروی کے ذریعہ ممکن ہوا۔ علامہ اقبال نے اسی نکتہ کی طرف توجہ دلاتے ہوئے فرمایا:

کی محمدؐ سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں
مقالہ کی ترتیب: پہلے نبی کریم ﷺ کے اسوہ حسنہ کے انقلابی پہلوؤں کو بیان کرتا ہوں کہ
بگڑے ہوئے معاشرہ و نظام کو کیسے صحیح و مستحکم کیا۔ پھر اس کی روشنی میں اپنے ملک کا جائزہ پیش
کروں گا کہ پاکستان کو کیسے نبوی معاشرہ سے استشہاد کرتے ہوئے مستحکم بنایا جاسکتا ہے۔

آپؐ سے پہلے عربوں کی حالت: زمانہ جاہلیت یعنی عرب قبل اسلام کو دور جاہلیت کہا جاتا ہے۔ اس دور کے دو حصے ہیں۔

جاہلیت اول جو عرب باندہ اور عرب عاربہ و مستعربہ کے حالات پر مشتمل ہے۔ اسلام سے چند صدیاں قبل اس کا اختتام ہوا۔

دوسرا حصہ جاہلیت ثانیہ کہلاتا ہے۔ جو فتح مکہ پر ختم ہوا (۷) اصطلاح میں جاہلیت سے مراد وہ زمانہ ہے جس میں کوئی صاحب وحی نبی یا الہامی کتاب نہ آئی ہو۔ (۸) اور ڈاکٹر فاطمہ کی تحقیق کے مطابق اسلام سے پہلے کے ایک سو سال کا زمانہ ”زمانہ جاہلیت“ ہے۔ (۹) اس دور میں سیاسی بحران، مذہبی ابتری اور سماجی بدانتظامی کا زبردست غلبہ تھا۔

مذہبی حالت: پورا عرب بت پرستی کی لپیٹ میں تھا۔ صرف کعبہ میں ۳۶۰ رب بت موجود تھے۔ (۱۰) پتھروں کے ساتھ فرشتوں، جنوں، پریوں اور چاند سورج کی پوجا بھی کی جاتی تھی۔ قرآن نے مشرکین مکہ کی اس حالت پر طنز کرتے ہوئے کہا ہے کہ یہ فرشتوں کو اللہ کے بیٹیاں کہتے ہیں۔ حالانکہ بیٹیاں خود اپنے لئے بھی پسند نہیں کرتے۔

سیاسی و قبائلی حالت: عرب بہت سے قبیلوں میں منقسم تھے۔ ہر قبیلہ کا اپنا سردار ہوتا تھا۔ قبائلی غرور کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا (۱۱) بلکہ ان کا اصول تھا کہ:

انصر اخاک ظالما او مظلوما

اپنے قبائلی بھائی کی مدد کرو خواہ وہ ظالم ہو یا مظلوم،

اس بنیاد پر ان میں سالہا سال جنگیں جاری رہیں۔ اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے مولانا حالی نے فرمایا ہے۔

کہیں پانی پینے پلانے پہ جھگڑا کہیں گھوڑا آگے بڑھانے پہ جھگڑا
ڈاکے قتل، لوٹ مار عام تھی (۱۲)

اقتصادی حالت: پوری اقتصادیات تجارت کے ارد گرد گھومتی تھی۔ کوئی خاص صنعت رائج نہ تھی اور نہ ہی زرعی ملک تھا۔ سارا مال و متاع ہمیشہ لڑائیوں اور لوٹ ماری کی زد میں رہتا۔ صرف حرام مہینوں میں بازار عکاظ، ذی الحجاز اور جندہ وغیرہ لگتے تھے۔ (۱۳) کاروبار میں سود عام تھا اور سود در سود کے نتیجے میں لوگ نسل در نسل مقروض رہتے تھے۔ پھر بھی بقول مرزا غالب:

پیتے تھے قرض لے لے کر

خواتین کی معاشرتی حالت: قبیلہ تیم اور اسد وغیرہ بعض قبائل اپنی لڑکیوں کو زندہ درگور کر دیا کرتے تھے۔ وہ کسی کے خسر اور سالے بننے میں اپنی توہین محسوس کرتے تھے۔ (۱۴) قرآن نے ان کے اس جرم کی نشاندہی کرتے ہوئے کہا ہے۔

وَإِذَا الْمَوْءُودَةُ سُئِلَتْ بِأَيِّ ذَنْبٍ قُتِلَتْ (۱۵)

قیامت کے دن زندہ گاڑی ہوئی لڑکی سے پوچھا جائے گا وہ کس گناہ پر قتل کی گئی تھی؟

بچیوں کی ولادت حد درجہ ذلت کا سبب سمجھی جاتی تھی۔ قرآن نے ان کی حالت بیان کرتے ہوئے کہا ہے

وَإِذَا بَشِيرٌ أَحَدَهُم بِالْأُنْثَىٰ ظَلَّ وَجْهَهُ مَسْوُودًا وَهُوَ كَظِيمٌ
يَتَوَارَىٰ مِنَ الْقَوْمِ مِنْ سُوءِ مَا بُشِّرَ بِهِ أَيُمْسِكُهُ عَلَىٰ هُونٍ
أَيَمْ يَدْسُهُ فِي التَّرَابِ (۱۶)

اور جب ان میں سے کسی کو بیٹی کی پیدائش کی خبر دی جاتی ہے تو سارا دن اس کا چہرہ بے رونق رہتا ہے اور وہ دل میں گھٹتا رہتا ہے اور اس خبر کی عار کی وجہ سے لوگوں سے منہ چھپائے پھرتا ہے اور سوچتا ہے ذلت کے ساتھ بچی کو زندہ رکھے یا زمین میں زندہ درگور کر کے اپنی عزت بحال کر لے،

اچھی نسل کے حصول کے لئے عورت کو زنا پر مجبور کیا جاتا۔ (۱۷) مغلوب قبیلہ کی عورتوں کو اپنے حرم میں داخل کر لیا جاتا۔ (۱۸) اولاد اپنی سوتیلی ماں پر قبضہ کر کے اس سے نکاح کر لیتی (۱۹) نکاح کی کوئی تعداد نہ تھی جو جتنی چاہے بیویاں رکھ سکتا تھا۔ (۲۰) اپنی بیویوں کو سرداروں کے پاس قرضہ کے بدلہ گروی رکھتے تھے۔ (۲۱) عورتوں کو وراثت ملنا تو کجا وہ خود وراثت میں تقسیم ہوتی تھیں۔ (۲۲)

جس قوم کی مذہبی، معاشرتی، معاشی اور سیاسی حالت اتنی قعر ذلت تک پہنچ چکی تھی اسے نبی کریم ﷺ کے اسوہ حسنہ نے کس طرح تبدیل کیا؟ اور اس قوم کو آئیڈیل قوم کس طرح بنایا؟ یہ جاننے کے لئے ہمیں آپ کی سیرت کا مختصر مطالعہ کرنا ہے تاکہ اس کی روشنی میں جس طرح

عرب کا معاشرہ تباہی سے استحکام کی طرف گامزن ہوا اسی طرح ہمارا پاکستانی معاشرہ بھی تباہی کی منہدمی سے نکل کر شاہراہ مستقیم پر گامزن ہو کر مستحکم ہو سکے۔

نبوی معاشرہ

نبوی معاشرہ میں اسلام کی دعوت: قانون بین الممالک جو حقیقت میں بین الممالک بھی ہو اور قانون بھی ہو مسلمانوں سے شروع ہوتا ہے اور یہ بھی رسول اکرم کی سیرت پر مبنی ہے۔ اسلام کا آغاز ہوا تو ابتدا میں بہت سی عملی دشواریاں تھیں اس لئے کہ مسلمانوں کے پاس کوئی علیحدہ مملکت نہیں تھی، وہ شہر مکہ ہی میں رہتے تھے اور یہ مملکت کے اندر ایک مملکت (State Within a State) کی حیثیت رکھتی تھی۔ مسلمان شہر کے حاکم کی جگہ نبی کریم ﷺ کے احکام کی اطاعت کرتے تھے۔ لیکن جب ہجرت کر کے مدینہ پہنچے تو وہاں چند ہی ہفتوں کے اندر مسلمانوں نے ایک حکومت قائم کر لی جس کا باقاعدہ ایک دستور بھی بنایا گیا اور اس دستوری حکومت کا سربراہ نبی کریم ﷺ کو منتخب کیا گیا۔ (۲۳) اس نظریاتی مملکت کے قیام میں مصائب کے پہاڑ کھڑے کئے گئے۔ لیکن آنحضرت ﷺ کی معنوی طاقت اور قوت فیصلہ کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ آپ نے ناکامی کے تمام تصورات کو قبول کرنے سے انکار کر دیا مشکل مواقع بھی پیش آئے مگر آپ نے صاف کہہ دیا۔

”اگر میرے ایک ہاتھ پر سورج اور دوسرے ہاتھ پر چاند رکھ دیا جائے تو

بھی میں اپنے فیصلہ کو واپس نہ لوں گا“ (۲۴)

آپؐ نے ہجرت کرنا قبول کیا لیکن اصل مقصد سے ایک انچ ہٹنا گوارا نہیں کیا۔ اسی

ہجرت کے ذریعہ قیام حکومت اور توسیع حکومت کے ذرائع میسر آئے۔

قیام حکومت کے بعد استحکام حکومت: اسلامی طرز حکومت تکوین حکومت کی ایک مستقل اور متعین تاریخی مثال ہے جس کی مثال نہیں لائی جاسکتی۔ اسلامی طرز حکومت ایک اتم اور اکمل مملکت کا نمونہ ہے جس کو صاف طور سے اس کے ابتدائی دور میں دیکھا جاسکتا ہے۔ اس کی پہلی خصوصیت

حکومت الہی کا قیام ہے۔ اس کے حلقہ کار میں ساری حکومت اور ساری ماتحتی کا مدار کائنات کے ایک خدا کی بالادستی پر ہے۔ (۲۵) دوسری خصوصیت خلافت کا قیام ہے یعنی حکومت خدا کی امانت ہے انسان خدا کا نمائندہ اور ذمہ دار ہے۔ (۲۶) تیسری خصوصیت قانونی مساوات ہے یعنی قانون کی نظر میں سب برابر ہیں۔

استحکام حکومت کے اصول: نبی کریم ﷺ نے درج ذیل اصولوں کے ذریعہ حکومت کو مستحکم کیا۔

- (۱) حکومت کو نمائشی امور سرمایہ دارانہ آلائشوں اور خاندانی حق سے پاک کر کے عوام کی چیز بنایا اور عوامی رائے کو اس کے سیاسی مزاج میں داخل کیا۔
- (۲) حکومت کے عہدے داروں کے لیے معمولی تنخواہیں رکھیں۔ رشوت کا تصور ختم کیا۔
- (۳) انصاف کو آسان بلا معاوضہ اور بلا تخصیص مذہب رکھا۔
- (۴) اجتماعی کوششوں سے حاصل ہونے والی دولت کو عوام کی دولت قرار دیا اور اصول مقرر کیا کہ ہر علاقہ کے امیروں سے مال (زکوٰۃ عشر وغیرہ) لے کر اسی علاقہ کے غریبوں میں تقسیم کیا جائے۔

(۵) حکام کے تقرر میں تقویٰ، اہلیت اور مفاد عامہ کو پیش نظر رکھا۔

(۶) شوریٰ کو سلطنت کے کاموں کی روح قرار دیا۔

(۷) بین الاقوامی معاملات اور ملکی معاملات کی درستگی کے لئے معاہدات کئے۔ (۲۷)

نبوی معاشرہ میں اسلام کی دعوت: ایک نظریاتی مملکت وہی ہوتی ہے جو کسی نظریہ کی بنیاد پر قائم ہو اور اس کو فروغ دے۔ استحکام مدینہ کی ابتدائی کاروائی کے بعد امور خارجہ پر توجہ دی۔ دیگر ممالک کے حکمرانوں کو اسلام کی دعوت دی۔ مدینہ میں موجود غیر مسلموں کو اسلام کی دعوت دی۔ اس کے لئے آپ کو چوکھی لڑائی لڑنی پڑی۔ ایک طرف یہود تھے جو مذہبی چودھراہٹ چھین جانے سے مسلسل مسلمانوں کے خلاف ریشہ دوانیوں میں مصروف رہے۔ دوسرے منافق تھے جو سرداری

چھٹنے کے غم سے اور مفادات کے حصول میں کبھی مسلمانوں کے ساتھ ملتے اور کبھی دشمنوں کے ساتھ مل کر سازشیں کرتے۔ تیسری طرف مدینہ کے قبائل کی باہمی لڑائیاں تھیں جو ۱۲۰ سال سے چلی آرہی تھیں۔ چوتھی طرف مسلمانوں کے معاشی و معاشرتی مسائل تھے۔ پانچویں طرف بیرونی خطرات تھے۔ آپ ﷺ نے تمام صورت حال کا مقابلہ کیا اور اشاعت اسلام کے ذریعہ ہر علاقہ میں کارکن بننے رہے۔ جہاں دشمنیاں بڑھیں، وہیں جانثار کارکن بھی ملتے رہے۔ بلاخر دشمن بھی زیر ہوتے گئے اور نظریاتی یلغار کے ذریعہ اسٹیٹ بھی وسیع سے وسیع تر ہوتا گیا۔

نبوی معاشرہ میں اخوت کا نظام: داخلی استحکام کے لئے معاش و معاشرت میں توازن بہت اہمیت رکھتا ہے۔ اس کے لئے آپ ﷺ نے اخوت کا نظام نافذ کیا۔ جسے مواخات (بھائی چارگی) کہا جاتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے مکان میں مہاجرین و انصار کے درمیان بھائی چارہ کرایا اس کی بنیاد یہ تھی کہ ایک دوسرے کے غمخوار ہوں گے، ایک دوسرے کی معاونت کریں گے اور موت کے بعد نبی قرابت داروں کے بجائے یہی ایک دوسرے کے وارث ہوں گے (غزوہ بدر کے بعد وراثت کا حکم منسوخ ہو گیا۔ ۲۸) اس مواخات کا مقصد یہ تھا کہ باہمی، معاشی و معاشرتی اعتبار سے مہاجرین کو سہارا مل جائے اور جاہلی عصیتیں تحلیل ہو جائیں۔ جو رنگ نسل، قوم اور وطن کے حوالہ سے موجود تھیں۔ (۳۰) نوے مہاجر و انصار کے درمیان یہ مواخات قائم ہوئی اور انصار نے کس خلوص سے اس پر عمل کیا اس کا اندازہ صرف ایک واقعہ سے لگائیے۔

صحیح بخاری کی روایت ہے نبی کریم ﷺ نے حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ (مہاجر) اور سعد بن ربیعؓ کے درمیان مواخات کرائی تو حضرت سعدؓ نے حضرت عبدالرحمنؓ سے کہا آپ خود میرا مال دو حصوں میں تقسیم کر کے لے لیں اور میری دو بیویوں میں سے جو آپ کو پسند ہو میں اسے طلاق دیئے دیتا ہوں، آپ اس سے شادی کر لیں۔ عبدالرحمن بن عوفؓ نے فرمایا اللہ آپ کے مال اور اہل میں برکات عطا فرمائے۔ آپ مجھے صرف بازار کا راستہ بتا دیجئے تاکہ میں محنت کے

ذریعہ کماسکوں۔ آپ نے یہ پیشکش اگرچہ قبول نہیں کی لیکن اس سے باہمی اخوت کا اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ کس طرح باہم رچ بس گئی تھی (۳۱) اور مواخات صحابہ کے دلوں میں نبی کریم ﷺ کی تعلیمات سے راسخ ہو گئیں تھیں۔ آپ نے اپنی تعلیمات میں تمام مسلمانوں کو بھائی اور ایک دوسرے کا مددگار بننے کے جذبہ کو راسخ کیا۔ (۳۲) اور جاہلی افکار کی مذمت کی (۳۳) اس لئے کہ مواخات کے خلاف نسلو جاہلی عصبیت سے مدد لی جاتی تھی۔

نبویؐ معاہدات اور مذہبی رواداری: داخلی اور خارجی استحکام ہی کے ذریعہ پائیدار حکومت قائم ہوتی ہے اور عوام مطمئن زندگی گزارتے ہیں۔ ملک دشمنوں سے محفوظ رہتا ہے۔ اسی افادیت کے پیش نظر آپ نے مدینہ کے باہر رہنے والوں سے معاہدات کئے۔ یہ معاہدات آپ کی مذہبی رواداری کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔

یہود سے معاہدہ: یہود اگرچہ مسلمانوں سے عداوت رکھتے تھے لیکن اس عداوت کا کھل کر اظہار نہیں کیا تھا۔ لہذا آپ نے یہود کو مکمل آزادی کی ضمانت ایک معاہدہ کے ذریعہ دی۔ جس کی اہم شقیں یہ تھیں۔ اس معاہدہ کو میثاق مدینہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

(۱) یہود کو مکمل مذہبی آزادی ہوگی۔

(۲) جو طاقت فریقین میں کسی بھی ایک سے جنگ کرے گی تو دونوں اس سے مل کر لڑیں گے۔

(۳) دونوں فریق ایک دوسرے سے خیر خواہی کریں گے۔

(۴) مظلوم مسلم ہو یا غیر مسلم اس کی مدد کی جائے گی۔

(۵) جنگ کے اخراجات سب مل کر برداشت کریں گے۔

(۶) معاہدے کے شرکاء میں باہمی فساد اور رکشت خون و خرابہ حرام ہوگا۔

(۷) قریش اور ان کے مددگاروں کو پناہ نہیں دی جائے گی۔

(۸) اگر فریقین میں کوئی اختلاف پیدا ہو جائے تو اس کا فیصلہ اللہ اور اس کے رسول محمد

رسول اللہ ﷺ کریں گے۔ (۳۴)

اس معاہدہ کی ایک ایک شق سے مذہبی رواداری نپکتی رہی ہے۔

مشرکین مکہ سے معاہدہ: اسی طرح آپ نے مشرکین مکہ سے بھی ایک معاہدہ کیا جسے صلح حدیبیہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اس معاہدہ کا پس منظر یہ ہے کہ آپ ۶ھ میں اپنے ہمراہ ۱۵۰۰ ارچندہ صحابہ کو لے کر عازم عمرہ ہوئے۔ مگر مکہ میں داخلہ سے قبل اطلاع ملی کہ مشرکین جنگ پر آمادہ ہیں۔ آپ ﷺ نے انہیں پیش کش کی کہ ہم ٹرنے نہیں آئے، صرف عمرہ کے ارادہ سے آئے ہیں۔ جنگ جدل بہت ہو چکی اب معاہدہ کر لو۔ مشرکین کی طرف سے سہیل ابن عمر نے معاہدہ کیا۔ معاہدہ کرتے ہوئے اس نے بسم اللہ الرحمن الرحیم اور محمد کے ساتھ رسول اللہ ﷺ لکھنے پر اعتراض کیا۔ آپ نے دونوں چیزیں نکلوا دیں۔ اس معاہدہ کی اہم شقیں یہ تھیں۔

(۱) دس سال تک جنگ نہیں ہوگی۔

(۲) قریش کا جو شخص بغیر اجازت محمدؐ کے پاس چلا جائے گا اس کو واپس کر دیا جائے گا اور جو محمدؐ کا آدمی مکہ جائے گا اسے قریش واپس نہیں کریں گے۔

(۳) جو قبیلہ محمدؐ کے عہد میں داخل ہونا پسند کرے گا اس کو آزادی ہوگی اور جو قریش کے عہد میں آنے کا آرزو مند ہوگا وہ بھی آزاد ہوگا

(۴) مسلمان اس سال عمرہ نہیں کر سکتے واپس جائیں گے، آئندہ سال عمرہ کر سکیں گے۔ آپ ﷺ اور صحابہؓ اسلحہ لے کر نہیں آئیں گے اور جو اسلحہ ہوگا وہ میان میں چھپا کر رکھیں گے۔ (۳۵)

اس معاہدہ کا ایک ایک لفظ مشرکین مکہ کی حمایت میں ہے۔ صحابہ کی بڑی تعداد برسرِ پیکار ہونے کے لئے بے چین ہے۔ لیکن آپ عزیمت کے پہاڑ بن گئے اور امنِ عالم کی خاطر تمام شرائط کو قبول کر لیا حتیٰ کہ مکہ سے آنے والے مظلوم ابو جندلؓ کو ان کے حوالہ کر دیا لیکن معاہدہ پر آج بھی نہیں آنے دیا۔ (۳۶)

یہی وہ معاہدہ ہے جو جس نے خارجی دنیا میں مسلمانوں کو اعلیٰ مقام دیا اور ان کے دلوں سے مسلمانوں کی نفرت مٹا دی۔ اسی وجہ سے قرآن نے معاہدہ کو فتح مبین قرار دیا ہے اور مسلمانوں نے اپنے عمل سے ثابت کیا بقول علامہ اقبال:

شہادت ہے مطلوب و مقصود مؤمن نہ مال غنیمت نہ کشور کشائی
میں نے یہ معاہدے بطور نمونہ پیش کئے ورنہ غیر مسلموں سے کئے گئے دیگر تمام
معاہدات مثلاً ۹ کا تبوک کا معاہدہ صلح اور ثقیف سے معاہدہ (۳۷) مذہبی رواداری کا مظہر ہے۔
معاہدات کے علاوہ عام معاشرتی معاملات میں بھی آپ ﷺ نے مذہبی رواداری کی تعلیم دی
ہے۔ قرآن میں واضح حکم ہے:

وصاحبہما فی الدنیا معروفاً (۳۷)

اپنے مشرک ماں باپ کے ساتھ بھی عرف کے مطابق اچھا برتاؤ کرو
حضرت اسماء بنت ابی بکرؓ نے اپنی مشرکہ ماں کے بارے میں سوال کیا تو فرمایا اپنی ماں
کے ساتھ صلح جمی کرو (۳۹) انہیں گھر آنے دو اور ان کا تحفہ بھی قبول کرو۔ (۴۰)
اسی طرح ایک یہودی کے گھر اس کے مرض الموت میں غیر مسلموں سے اچھے سلوک کا
حکم دیا ہے۔ حتیٰ کہ فتح مکہ کے بعد خانہ کعبہ کے کلید بردار عثمان جو کہ مشرک تھے آپ نے چابی انہی
کے حوالہ کر دی اور کہا تم سے جو چھینے گا وہ ظالم ہوگا۔ (۴۲) یہ حسن سلوک دیکھ کر وہ مسلمان ہو گئے
جہاد کی حلت اور حکم: لیکن مسلمانوں کی اتنی رواداریوں کے باوجود کچھ لوگ ایسے بھی تھے جو
مسلل ریشہ دوانیوں میں مصروف رہے اور دشمنوں سے مل کر کھلی اور چھپی سازشیں کرتے رہے۔
ایسے ہی لوگوں کے بارے میں کہا گیا ہے کہ لاتوں کے بھوت باتوں سے نہیں مانتے۔

لہذا ایسے لوگوں کو سیدھا کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اذن للذین یقاتلون بانہم ظلموا وان اللہ علیٰ نصرہم

لقدیر (۴۵)

جو لوگ ظلماً مسلمانوں سے جنگ کر رہے ہیں تو مسلمانوں کو بھی ان سے

جنگ کی اجازت ہے اور یقیناً اللہ ان کی مدد پر قادر ہے۔

نبی کریم ﷺ نے مشرکین مکہ اور دیگر دشمنوں کے شر سے بچنے کے لئے حفاظتی انتظامات کئے تھے۔ کبھی سعد بن ابی وقاصؓ پہرہ دیتے (۴۶) کبھی دیگر صحابہ۔ اس کے ساتھ آپ نے بذریعہ جہاد بنو قینقاع کے یہودیوں کی خبر لی اور انہیں مدینہ بدر کیا۔ (۴۷) جہاد کے معنی یہ ہیں کہ دشمن کے مراکز پر مسلح حملہ کیا جائے اور اسلام کو سر بلند کیا جائے (۴۸) اور یہ جنگ فی سبیل اللہ انسانیت کی بہتری کے لئے کی جاتی ہے۔ (۴۹) ۲ھ کے جہاد میں ۳۱۳ ہجری بدر میں لڑے اور ۳ھ میں ۷۰۰/۸۰۰ میں لڑے، ۸ھ میں ۳۰۰ موتوں میں لڑے اور ۱۰۰۰۰۰ لڑنے مکہ فتح کیا۔ ۱۲۰۰۰ لڑنے غزوہ حنین کی جنگ میں حصہ لیا۔ ۹ھ میں تیس ہزار غزوہ تبوک میں لڑے۔ (۵۰)

اسی طرح دیگر غزوات میں یہ تناسب بڑھتا رہا۔ لیکن دس سالہ جنگ میں دو سو چالیس افراد بھی ہلاک نہیں ہوئے۔ جس میں صحابہ کی تعداد بہت کم تھی اور اس جہاد کی بدولت تین ملین یعنی تیس لاکھ مربع کلومیٹر کا علاقہ مسلمانوں کے قبضہ میں آیا۔ اگر مرنے والوں کی اوسط نکالی جائے تو مہینہ میں دو بھی نہیں۔ (۵۱) اس سے معلوم ہوتا ہے نبوی جہاد کا مقصد خون ریزی تباہی و بربادی نہیں بلکہ شر کا خاتمہ اور خیر کا فروغ تھا۔

نبوی معاشرہ میں مشاورت: کوئی بھی حکومت مستحکم و دائم اسی وقت ہو سکتی ہے جبکہ اس کے باشندوں کو اس میں شریک کیا جائے اور وہ اس شرکت کو محسوس کریں۔ نبی کریم ﷺ نے مدینہ کی حکومت کو استحکام بخشنے کے لئے ”مشورہ“ کو رائج کیا۔ مشورہ لینے کے لئے ادارہ وجود میں آتا ہے جسے ”مجلس شوریٰ“ کہا جاتا ہے۔ اس میں ارباب حل و عقد سے ان کی آراء پوچھی جاتی ہے اور اس کی روشنی میں کسی فیصلہ پر پہنچتے ہیں۔ (۵۲) اس کی مختلف تعریفیں کی گئی ہیں۔

مجلس شوریٰ کی تعریف: قاضی ثناء اللہ پانی پتی لکھتے ہیں شوریٰ کی روح یہ ہے کہ جماعت کے

افراد میں سے ہر فرد اپنے علم اور قابلیت کے مطابق اپنی آراء اور خیالات پیش کر دیتا ہے۔ ایک دوسرے کے نظریات ملتے ہیں اور اس سے ایک اچھا فیصلہ ہاتھ آ جاتا ہے۔ (۵۳)

نبی کریم ﷺ نے فرمایا اگرچہ اللہ اور اس کا رسول مشورہ سے بے نیاز ہے۔ مگر شوریٰ کا حکم امت کے لئے رحمت ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے:

احداً اکثر مشورۃ لاصحابہ من النبیؐ (۵۴)

میں نے کسی ایسے شخص کو نہیں دیکھا جو اپنے اصحاب سے مشورہ کرنے میں

اتنا زیادہ سرگرم ہو جس قدر رسول اللہ ﷺ تھے

یہی بات حضرت عائشہؓ نے فرمائی۔ ہم جب کتب سیر و تاریخ کا جائزہ لیتے ہیں تو یہ پہلو خوب واضح ہو کر سامنے آتا ہے۔

نبی کریم ﷺ کے مشورہ کے نظائر: آپ نے ہر اہم مسئلہ پر صحابہ سے مشورہ کیا۔

(۱) ۱ھ میں نماز کے اجتماع کے لئے اذان کا مشورہ صحابہ سے ہوا۔ (۵۵)

(۲) ۲ھ میں غزوہ بدر کے سلسلہ میں صحابہ سے مشورہ لیا۔ (۵۶)

(۳) ۲ھ میں غزوہ بدر میں قید ہونے والے مشرکین مکہ کے بارہ میں مشورہ کیا۔ (۵۷)

(۴) ۵ھ میں غزوہ خندق کے موقع پر صحابہ سے مشورہ کیا مدینہ میں رہ کر لڑیں یا باہر نکل

کر۔ (۵۸)

(۵) ۶ھ میں حضرت عائشہؓ پر تہمت لگی تو صحابہؓ سے مشورہ کیا۔ (۵۹)

(۶) ۸ھ میں ہوازن کے چھ ہزار جنگی قیدیوں کے بارے میں صحابہ سے مشورہ

کیا۔ (۶۰)

(۷) ۱۰ھ میں معاذ بن جبلؓ کو یمن کا گورنر مقرر کرنے کے لئے صحابہؓ سے مشورہ

کیا۔ (۶۱)

خلفاء اربعہ نے بھی نبی کریم ﷺ کی اس سنت کو جاری رکھا۔ مشورہ کے بعد اس پر عمل

کرنے کے لئے رائے عامہ تیار ہو جاتی ہے۔ ہر طبقہ اپنی شرکت کو محسوس کرتا ہے۔ اس طرح ملک کو استحکام حاصل ہوتا ہے اور ملک آمریت سے محفوظ رہتا ہے۔ اس کا اعتراف کرتے ہوئے ایک مستشرق آرمینس وان میری نے بجا طور پر اعتراف کیا ہے جسے ڈیما کریسی (حقیقی جمہوریت) کی بنا پر امتیاز اور فوقیت حاصل ہے انسان کی عمرانی تاریخ سے آج تک اگر صحیح معنی میں کوئی شوریٰ حکومت قائم ہوئی ہے تو بقسم کہنا درست ہوگا کہ وہ خلفاء راشدین ہی کی خلافت راشدہ تھی۔ (۶۲)

عہد نبویؐ میں فروغ اسلام کے مساعی: کوئی بھی مملکت مستحکم و محفوظ اسی وقت رہ سکتی ہے جبکہ ارد گرد کے علاقے اس کے مذہبی ہمنوا اور دوست ہوں۔ ۶ھ میں جیسے ہی داخلی و خارجی حملوں سے صلح حدیبیہ کے ذریعہ تحفظ حاصل ہوا آپؐ نے اسلام کی دعوت دیگر حکمرانوں تک پہنچانی شروع کی۔ انٹرنیشنل اصول تھا کہ بادشاہ اسی وقت خط قبول کرتے تھے جب کہ ان پر مہر لگی ہو۔ لہذا آپؐ نے مہر بنوالمی جس کے الفاظ اس طرح تھے۔ ”محمد رسول اللہ“ (۶۳) (لفظ محمد نیچے، رسول اس سے اوپر اور اللہ سب سے اوپر تھا)

(۱) آپؐ نے ایک خط حبشہ کے بادشاہ نجاشی کے نام لکھا اس میں اسے اسلام قبول کرنے کی دعوت دی جسے اس نے قبول کیا اور مسلمان ہو گیا۔ (۶۴)

(۲) دوسرا خط مصر و اسکندریہ کے حکمران مقوقس کے نام لکھا اس میں بھی اسلام کی دعوت کے ساتھ دو ہرے اجر کی خوشخبری دی۔ (۶۵)

(۳) ایک خط بادشاہ فارس کسریٰ کے نام لکھا۔ (۶۶)

(۴) ایک خط قیصر شاہ روم ہرقل کے نام لکھا۔ (۶۷)

(۵) ایک خط حاکم بحرین منذر بن ساوی کے نام لکھا۔ (۶۸)

(۶) ایک خط یمامہ کے حاکم ہوزہ کے نام لکھا۔ (۶۹)

صرف یہی نہیں بلکہ بیشمار حکمرانوں جس میں عمان وغیرہ کے حکمران اور سرداران قبل

ہیں، ان تک اس مذہب کی تعلیمات پہنچا کر اسلام کی دعوت دی۔ اس نظریاتی یلغار کا فائدہ یہ ہوا کہ اسلام دنیا میں برق رفتاری سے متعارف ہوا اور لوگ جوق در جوق اسلام کی طرف آنا شروع ہوئے۔ اسی کیفیت کی منظر کشی کرتے ہوئے قرآن اس طرح گویا ہوا۔

اذا جاء نصر الله والفتح ورأيت الناس يدخولون في دين
الله افواجا (۷۰)

جب اللہ کی مدد آگئی اور مسلمانوں کو کافروں پر فتح حاصل ہوئی اور آپ ﷺ دیکھ رہے ہیں کہ لوگ جوق در جوق لشکروں کی صورت میں اسلام میں داخل ہو رہے ہیں۔

یہ اسلام کی تبلیغی کوششوں کا حصہ تھا جس کی طرف آپ نے اپنے آخری خطبہ حجۃ الوداع میں بھی ترغیب دیتے ہوئے حکم فرمایا تھا کہ لوگو گواہ رہنا میں نے تم تک اسلام پہنچا دیا ہے۔ حاضرین کو چاہئے کہ وہ غائبین تک اس پیغام کو پہنچا دیں۔ ایک لاکھ چوبیس ہزار صحابہؓ میں سے اکثریت تبلیغ کے لئے نکل کھڑی ہوئی اور دنیا بھر میں اسلام کو پہنچا کر وہیں دفن ہوئے۔ آج دنیا کے ہر خطہ میں صحابہؓ کے مزارات اس کا واضح ثبوت ہیں۔

نبوی معاشرہ کا نظام معیشت و کفالت: ہر ملک کے استحکام اور خوشحالی میں اس ملک کا معاشی نظام اہم کردار ادا کرتا ہے۔ نبی کریم ﷺ اس طرف سے بھی غافل نہ رہے، آپ ﷺ نے معاشی عدل اور عوامی کفالت کا نظام رائج کیا۔ ظلم، جبر، استحصال، مفاد پرستی، زر پرستی، واقرباء پروری، پڑوسیوں اور کمزور طبقوں سے تغافل کی تمام شکلوں کے دروازے بند کر دیئے۔ معیشت کو دھوکہ فریب اور سود کے استحصال سے پاک کیا خطبہ حجۃ الوداع کے موقع پر خطاب کرتے ہوئے اعلان کیا۔

جاہلیت کا سود ختم کر دیا گیا اور ہمارے سود میں سے پہلا سود جسے میں ختم کر رہا ہوں وہ عباس بن عبدالمطلب کا سود ہے۔ (۷۱)

اور عوام کی کفالت کے لئے زکوٰۃ، صدقات، خمس، فنی، خراج، عشر، جزیہ، عشور (درآمدی مال کا ٹیکس) وغیرہ۔

جس کے ذریعہ عوام کو بنیادی ضروریات کھانا، کپڑا، مکان، علاج کی سہولت حاصل ہو سکے اس کے لئے مرکزی ادارہ بیت المال قائم کیا۔ (۷۲) اور مذکورہ مال جمع کرنے کے لئے عمال مقرر کئے عینیہ بن حصن کو بنو تمیم سے یزید بن الحصین کو بنو اسلم و غفار سے عباد کو سلیم اور مزینہ سے رافع جہینہ، عمر بن العاص کو بنو فزارہ، ضحاک کو بنو کلاب سے اور اسی طرح دیگر قبائل و علاقوں سے وصول کرنے اور پھر اس مال کو مستحقین میں تقسیم کرنے کے لئے مقرر کیا تھا۔ (۷۳) جس کی وجہ سے مسلمانوں میں معاشی خوشحالی پیدا ہوئی اور نو مسلموں کو استحکام حاصل ہوا۔

نبوی معاشرہ کا نظام تعلیم و تربیت: اسلام کا آغاز بھی تعلیم و تعلم سے ہوا۔ پہلی وحی ”اقرا باسم ربک“ اس کا واضح ثبوت ہے۔ آپ ﷺ نے اس کے بعد ساری زندگی فروغ علم میں گزاری مدینہ پہنچنے ہی سب سے پہلا کام مسجد کی تعمیر اور اس میں اصحاب صفہ کا قیام تھا۔ جسے ہم پہلا مدرسہ کہہ سکتے ہیں۔ اس میں لکھنا پڑھنا سب شامل تھا۔ جب یہاں سے طلباء تعلیم حاصل کر لیتے تو انہیں دوسرے علاقوں میں تعلیم دینے کے لئے بھیجا جاتا۔ (۷۴) ایک علاقہ میں آپ نے ستر صحابہ کو جو کہ حافظ تھے تبلیغ کے لئے بھیجا۔ مگر دشمنوں نے انہیں دھوکہ سے شہید کر دیا۔ نبی کریم ﷺ نے اپنی تعلیمات میں فروغ علم پر خصوصی توجہ دی۔ حتیٰ کہ اسیران بدر کی رہائی کے لئے یہ شرط لگائی کہ ہر قیدی دس افراد کو لکھنا پڑھنا سکھادے تو آزاد ہے حالانکہ مسلمانوں کو علم سے زیادہ مال کی ضرورت تھی۔ لیکن آپؐ جانتے تھے کہ علم کے بغیر کوئی قوم ترقی نہیں کر سکتی اور تربیت کے بغیر کوئی قوم مہذب نہیں بن سکتی۔ لہذا آپؐ نے تعلیم کے ساتھ اساتذہ اور والدین کو حکم دیا کہ وہ تربیت بھی دیں۔ اس طرف راغب کرنے کے لئے فضائل بھی بیان کئے۔ جس کے نتیجے میں شاندار نسل تیار ہوئی۔ اس نسل کا ہر فرد چمکتے ہوئے ستارہ کی مانند تھا۔ اسی لئے آپؐ نے فرمایا:

اصحابی کالنجوم فبابہم اقتدیتم اھتدیتم

میرے صحابہ ستاروں کی مانند ہیں۔ تم جس کی اقتداء کرو گے ہدایت پا جاؤ گے۔

اور تعلیم و تربیت بچوں، بوڑھوں، جوانوں، عورتوں، مردوں سب کے لئے تھی اس میں آزاد و غلام کا فرق بھی روا نہیں رکھا گیا۔ یہ صرف مذہبی تعلیم و تربیت نہیں تھی جیسا کہ سمجھا جاتا ہے بلکہ اس میں دینی و دنیاوی علوم کی تعلیم بھی تھی۔ اخلاقی تربیت کے ساتھ فوجی تربیت بھی تھی۔ آپؐ خود کھڑے ہو کر گھوڑ دوڑ، نشانہ بازی اور جسمانی ورزش کا اہتمام کراتے اور مقابلوں کے بعد انعام بھی دیا کرتے تھے تاکہ دوسروں کو بھی رغبت ہو۔ (۷۵)

نبوی معاشرہ میں عادلانہ قوانین کا نفاذ اور امن کا ظہور: آپؐ نے ایک طرف حکمرانوں کو عادلانہ نظام کے ذریعہ طریقہ حکمرانی و جہاں بانی کے گر سکھائے۔ رعایا پروری کی تعلیم دی تو دوسری طرف رعایا کو حکمرانوں کی حق حکمرانی کے اسلوب سکھائے۔ انہیں بغاوت، شرفساد، حکم عدولی سے باز رکھا تاکہ حصول حق میں نظام حکومت تہہ و بالا نہ ہو جائے ہر شخص کو اس کا حق اس کی دلیز پر ملا۔ احکام کے نفاذ میں آزاد غلام، کمزور، توانا، عورت، مرد، مسلم غیر مسلم، حکمران اور رعایا میں کسی قسم کی تخصیص نہیں کی۔ جس کی وجہ سے اسلامی اسٹیٹ ہمیشہ امن کا گہوارہ رہا۔ امن کسی بھی ملک کے استحکام میں بنیاد کی حیثیت رکھتا ہے۔ اسی اہمیت کے پیش نظر آپؐ نے فرمایا ”کفر کے ذریعہ تو حکومت قائم رہ سکتی ہے، ظلم کے ذریعہ کوئی حکومت قائم نہیں رہ سکتی۔“ جب حکمران جو کہ عوام کی جان، مال، آبرو کا محافظ بنایا گیا وہی اسے پامال کرنے لگے تو بھلا وہ ملک کس طرح باقی رہ سکتا ہے۔ اس ملک کی عوام کس طرح اس ملک کے دفاع کے لئے لڑ سکتی ہے۔ نبی کریم ﷺ کا اسوہ حسنہ ہی وہ مصدر ہے جس سے دنیا کی عظیم قوم وجود میں آئی۔ کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے

رخ مصطفیٰ ہے وہ آئینہ کہ اب ایسا دوسرا آئینہ نہ ہماری بزم خیال میں نہ دکان آئینہ ساز میں

نبوی معاشرہ میں انسانی حقوق کا تحفظ: فساد اور تخریب کی بنیاد ہمیشہ حقوق ہوتے ہیں۔ کہیں خون کا بدلہ کہیں جاہ و منصب کا جھگڑا، کہیں طاقت کا غلط استعمال، آپؐ سے پہلے معاشرہ میں

ہر طرح کا ظلم و جور نافذ تھا۔ آپؐ نے ہر طبقہ اور ہر شخص کے حقوق کا تعین کیا وہ آزاد ہو یا غلام عورت ہو یا مرد، اعلیٰ نسب ہو یا کم تر، طاقتور ہو یا کمزور بالخصوص خواتین جو اس معاشرہ کا سب سے کچلا ہوا طبقہ تھا، آپؐ نے بحیثیت بیٹی، بحیثیت بیوی، بحیثیت ماں اور بحیثیت بہن اس کا مقام بحال کیا۔ ماں کے قدموں تلے جنت، بیٹی کی تربیت، بہن کی کفالت اور بیوی سے اچھے سلوک پر جنت کی خوشخبریاں سنا کر زیادتوں کا ازالہ کیا۔ غیر مسلموں کو مکمل حقوق دیئے جس میں مذہبی، معاشی، سفری اور سیاسی آزادی شامل تھی۔ اس کے خون کو مسلمان کے خون کی طرح محفوظ قرار دیا۔ جس سے معاشرہ میں امن و سکون کا دور دورہ ہوا اور معاشرہ کے جملہ طبقات اسلام میں ضم ہوتے چلے گئے حتیٰ کہ بعد کے ادوار میں غیر مسلموں نے مسلم حکمرانوں کو خطوط لکھ کر اپنے ہم مذہبوں کے خلاف حملہ پر آمادہ کیا اور اپنے ہم مذہبوں کے مقابلہ میں اسلام کے زیر سایہ رہنے میں فخر محسوس کیا۔

خلاصہ بحث: نبی کریم ﷺ سے پہلے معاشرہ میں آج کی طرح سیاسی، مذہبی اقتصادی اور علمی انحطاط تھا۔ قومیت کا عفریت مذہبی منافرت کا لاوا سب کچھ نگل چکا تھا۔ خواتین صرف جنسی تسکین کا ذریعہ تھیں۔ دولت مند دولت کی ہوس میں سود در سود وصول حاصل کیا کرتے تھے۔ خواتین کو زندہ درگور کیا جاتا تھا۔ جاہلیت اور جہالت کا دور دورہ تھا۔ آپؐ کی تعلیمات اور سیرت نبویؐ کے اثرات سے معاشرہ میں اس طرح انقلاب آیا کہ وہ معاشرہ مثالی معاشرہ بن گیا۔ ایسا مثالی کہ تاریخ عالم اس کی نظیر پیش کرنے سے عاجز ہے۔

آئیے اس کے بعد ہم اپنے ملک کا جائزہ لیں کہ ہم اسے کس طرح مستحکم و مثالی بنا سکتے

ہیں۔

قیام پاکستان کا پس منظر: ۱۸۵۷ء میں مسلم اسٹیٹ کا برصغیر سے مکمل خاتمہ ہو گیا۔ اس کے بعد مسلمانوں پر سیاسی، مذہبی، معاشی، معاشرتی اور تعلیمی زوال انتہا کو پہنچ گیا۔ جہاد بالیف کی تمام کوششیں بیکار ثابت ہوئیں۔ یہ صورت حال دراصل مسلم حکمرانوں اور مسلم عوام کے دین سے

دوری کا نتیجہ تھیں۔ اس صورت حال میں علماء حق نے عوام کو دوبارہ دین کی طرف راغب کیا۔ سیاسی حالات کے پیش نظر مسلم عمائدین نے مسلم اسٹیٹ کے حصول کے لئے اپنی مساعی قانونی و سیاسی بنیادوں پر جاری رکھی اور بالآخر ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو اسلامی جمہوریہ پاکستان وجود میں آیا۔ اس ملک کی بنیاد دو قومی نظریہ پر تھی۔ جس وقت اور جن حالات میں یہ ملک وجود میں آیا بہت سے لوگوں کی رائے تھی یہ ملک جلد ختم ہو جائے گا۔ اس ملک کے پاس نہ دولت تھی نہ جدید دور کی سہولیات میسر تھیں۔ دوسری طرف ہندوستان سے آنے والے مہاجرین کے مسائل آباد کاری تھے۔ تیسری طرف ہندوستان، کشمیر کے نصف حصہ اور حیدر آباد دکن پر قبضہ کر چکا تھا۔ پاکستان پر حملہ کے لئے تیاریاں کر رہا تھا۔ اس پس منظر اور معروضی حالات کے ساتھ اس ملک کی تاریخ کا آغاز ہوتا ہے۔ اس صورت حال میں اس کا باقی رہنا بھی معجزہ تھا اور یہ معجزہ اس لئے ظہور پذیر ہوا کہ ہم نے اللہ سے مسلم عوام سے دو قومی نظریہ، اسلام کے نفاذ، عدل کا وعدہ کیا تھا۔ اس لئے اللہ نے ہماری ہر طرح سے غیبی مدد کی۔ لیکن ہم نے اتنی عظیم نعمت جو اسلامی جمہوریہ پاکستان کی شکل میں ہمیں ملی تھی اس کی قدر نہیں کی۔

ملک اللہ کی عظیم نعمت ہے: اس کا اندازہ ہمیں موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں موجود قرآنی آیات سے ہوتا ہے۔

قصہ موسیٰ سے معلوم ہوتا ہے (قوم موسیٰ پر فرعون نے مختلف عذاب جس میں اولاد کا قتل غلامی کی زندگی مسلط کر رکھی تھی) موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا۔ اس آزمائش میں اللہ سے مدد طلب کرو اور صبر سے کام لو۔ بلاشبہ (ملک فرعون کا نہیں بلکہ) اللہ کا ہے۔ وہ جسے چاہے ملک کا وارث بناتا ہے اور اچھا انجام متقی کے لئے ہے۔ (۷۶)

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرعون کو تباہ کیا اور قوم موسیٰ کو حکومت ملی تو حکومت دینے کے ساتھ فرمایا۔

اللہ تعالیٰ فرعون کی جگہ تمہیں حکومت دے گا۔ پھر دیکھو گام کیسے عمل کرتے ہو (کیا تم

بھی حکومت ملنے کے بعد دین الہی کو نافذ کرتے ہو یا فرعونوں کی طرح نافرمانی کرتے ہو) (۷۷) اور ساتھ ہی انہیں یہ خوشخبری دی گئی تھی کہ اگر تورات کے قوانین کو اپنی زندگیوں میں نافذ کر لیں تو انہیں معاشی خوشحالی بھی ملے گی۔ ارشادِ بانی ہے سورہ مائدہ میں ”اگر یہود و نصاریٰ اپنی زندگیوں میں تورات اور انجیل کو نافذ کرتے جو ان پر بھیجی گئی تھی (تو ان پر رزق اس قدر فراخ کر دیا جاتا کہ) وہ کھاتے اوپر سے (یعنی آسمان سے خوب بارش نازل ہوتی اللہ کی رحمت اترتی ملک میں خوب غلہ اور انواع و اقسام کی چیزیں اترتیں) اور نیچے سے بھی (یعنی زمین سے معدنیات نکلتیں سونا چاندی پتھر و غیرہ) (۷۸) لیکن انہوں نے ملک حاصل ہونے کے بعد ناشکریاں کرنا شروع کر دیں، اگر ان کے کر تو توں پر متنبہ کرنے کے لئے ان پر کوئی آزمائش آتی تو کہتے تو موسیٰ اور ان پر ایمان لانے والے لوگوں کی وجہ سے ہے۔ (۷۹) اللہ تعالیٰ نے جب انہیں سیدھے راستے پر لانے کے لئے ان پر طوفان کا عذاب، ٹنڈی کا عذاب، جوئیں اور مینڈک اور خون کا عذاب مسلط کیا تو سدھر جاتے۔ (۸۰) اور موسیٰ علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو کر عذاب ٹلنے کی دعا کراتے۔ جب عذاب ٹل جاتا تو پھر نافرمانی اور بغاوت پر اتر آتے۔ (۸۱) قارئین کرام! اگر آج ہم اپنی پاکستانی تاریخ پر غور کریں تو اس قصہ موسیٰ کا ایک ایک لفظ ہم پر صادق آ رہا ہے۔

قصہ قوم موسیٰ کی روشنی میں پاکستان کے حالات کا جائزہ: جس طرح قوم موسیٰ کو طویل جدوجہد کے ملک عطا ہوا۔ اسی طرح ۱۸۵۷ء سے ۱۹۴۷ء کی طویل جدوجہد کے نتیجہ میں ہمیں یہ ملک ملا۔ انگریز اور ہندوؤں کے ساتھ سکھ سمیت ہر طبقہ مسلمانوں کا معاشی، معاشرتی، سیاسی، تعلیمی استحصال کر رہا تھا۔ لیکن ہم نے ملک قائم ہوتے ہی تمام وعدے فراموش کر دیئے۔ عملاً کچھ نہیں کیا، زبان سے دعوے کرتے رہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہم پر ناشکری کی سزا کے طور پر جنگ مسلط کی اور ملک ٹوٹ گیا۔ مگر ہم نے پھر بھی ہوش کے ناخن نہ لئے۔ اسلامی قوانین کا نفاذ نہیں کیا۔ بلکہ شریعت کا تمسخر اڑایا گیا۔ نتیجہ کے طور پر ہم پر بھی قوم موسیٰ کی طرح خون کا عذاب مسلط کر دیا گیا۔